روشنی تو دیے کے اندر ہے
محسن بھوپالی

محسن بھوپالی کا شمار پاکستان کے معروف اور خوش گو شعرا میں ہوتا ہے۔ وہ منفرد انداز اور ایک خاص لہجے کے شاعر ہیں۔ روایت آشنا، جدّت کے دلدادہ، کم و بیش نصف صدی کی شعری اور ادبی ریاضت کے حامل، انہوں نے غزل اور نظم دونوں اصناف میں طبع آزمائی کی ہے اور ایک نئی صنف "نظمانے" کو فروغ بخشا ہے۔ نظمانے ایک نیا اور دلکش شعری تجربہ ہے جس میں نظم اور افسانے کے امتزاج سے معاشرتی ناہمواریوں، منفی فکر اور زندگی کے تلخ حقائق کو پیش کیا گیا ہے۔ محسن نے نئی ابھرتی ہوئی صنف "ہائیکو" میں بھی بڑے موثر انداز سے اپنے آپ کو نمایاں کیا ہے۔ سال بھر پہلے ان کے ہائیکو کا ایک مجموعہ "منظر پتلی میں" شائع ہو کر سخن شناسوں میں مقبول ہو چکا ہے۔

محسن غزل، نظم اور نظمانے سب میں مظلوموں اور مقہوروں کے احساس محرومی اور "مرحومی" کے سچّے اور بے باک ترجمان ہیں۔ ان کا نیا مجموعہ "روشنی تو دِیے کے اندر ہے" ان کے گزشتہ دس برس میں کہی جانے والی غزلوں اور نظمانوں پر مشتمل ہے۔ یہ مجموعہ ان کے فن کی پختگی، نظر کی گہرائی، لہجے کی دل کشی اور فراعنہ عہد حاضر کی انسان دشمنی اور جارحانہ رویّوں کے خلاف انتہائی موثر اور معنی خیز احتجاج ہے۔

احساسِ محرومی و مرحومی کے ترجمان ہونے کے باوجود محسن کے یہاں پسپائیت یا مایوسی کا کوئی گزر نہیں۔ "شکستِ شب" کے نور سے اپنی شاعری کو منظرِ عام پر لانے والے اس حساس سخن وَر کے یہاں اعتماد اور یقین کا اجالا ہے۔ وہ فراعنۂ وقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انتہائی اعتماد اور استقلال کے ساتھ ان تمام تجربات کی نشاندہی کرسکتے ہیں۔ جن سے ہستی اور نیستی کی مستقل کشمکش میں ہستی کا بھرم اور وقار قائم ہے۔

محسن کی شاعری میں اردو کی شعری روایت آگے بڑھتی اور نئی منزلیں طے کرتی نظر آتی ہے۔ "روشنی تو دِیے کے اندر ہے" محسن کے کمالاتِ شعری کا ایک نیا اور بھرپور مرقع ہے۔ عہدِ حاضر کے تقاضوں کا بے باک اظہار اور شعری صداقتوں کا امین۔

ڈاکٹر اسلم فرخی

روشنی تو دِیے کے اندر ہے

روشنی تو دِیے کے اندر ہے

محسن بھوپالی

پہلا ایڈیشن	ستمبر ۱۹۹۶ء
دوسرا ایڈیشن	اکتوبر ۱۹۹۷ء
قیمت	۹۰ روپے
مطبع	نہال پریس کراچی
سرورق	ظفر محمود
تزئین	اظہر عباس جعفری

ناشر:۔ ایوان ادب ۴ ایف۔ ناظم آباد۔ کراچی ۷۴۶۰۰

سول ایجنٹ:۔ فرید پبلشرز پہلی منزل نوشین سینٹر اردو بازار کراچی

انتساب

والدِ محترم محمد عبدالرزاق (مرحوم)

کے نام

جنھوں نے تقسیمِ پاک و ہند کے موقع پر مرکزی حکومت کے

ہزاروں اہلکاروں کے ساتھ پاکستان میں ملازمت

کا Option (اختیار) دیا..... ستمبر ۱۹۴۷ء

میں مع اہلِ خاندان بھوپال سے ہجرت

کی اور محکمۂ ڈاک و تار میں بہ حیثیت

ڈپٹی پوسٹ ماسٹر خدمات انجام دیں۔

محسن بھوپالی کا اوّلین شعری مجموعہ "شکستِ شب" ۲۸ برس پہلے شائع ہوا تھا۔ اس دَوران میں شکستِ شب کا استعارہ زیادہ با معنی ہو چکا ہے۔ وقت آگے کی طرف رَواں دَواں ہے اور وہ متعدّد واہموں کو حقیقت بنا چکا ہے۔ محسن بھوپالی نے اوّلین مجموعہ کے بعد متعدّد شعری مجموعے پیش کئے۔ "جستہ جستہ" "نظمانے" "ماجرا" اور "گردِ مسافت"۔ اس حقیقت میں کوئی کلام نہیں کہ شاعر سے آغازِ سفر میں جو توقعات قائم کی گئی تھیں وہ "گردِ مسافت" تک نہ صرف یہ کہ پوری ہو چکی ہیں بلکہ شاعر نے اپنے لئے واقعتاً ایک ممتاز مقام حاصل کر لیا ہے۔

محسن بھوپالی کے کلام میں شدّت احساس کے ساتھ لہجے کی برجستگی بطورِ خاص نمایاں نظر آتی ہے وہ ہم عصر صورتِ حال کے بارے میں معنی خیز ردِّ عمل کے لئے مشہور ہیں۔ انہوں نے روایت کی پاسداری بھی کی ہے' نئے نئے تجربات بھی کئے ہیں۔ روایت کی پاسداری ہو یا روایت گریزی' ہر دو صورتوں میں محسن بھوپالی ایک ممتاز شاعر کے روپ میں ابھرے ہیں۔

(محمد علی صدیقی کے فلیپ مطبوعہ شکستِ شب دوسرا ایڈیشن ۸۹ء سے اقتباس)

ترتیب

غزلیں

نظمانے

کیا خبر لَو بجھانے والے کو
روشنی تو دِیے کے اندر ہے

یہ میرے چاروں طرف کِس لئے اُجالا ہے

ترا خیال ہے یا دن نکلنے والا ہے

یقین مانو میں کب کا بِکھر گیا ہوتا

تمہاری یاد نے اب تک مجھے سنبھالا ہے

بُھلانا چاہوں مگر میں بُھلا نہیں سکتا

تمہارا نام مری ذات کا حوالہ ہے

ہجومِ جشن میں کرتا ہے غم زدوں کو تلاش

مجھے جُنوں نے عجب امتحاں میں ڈالا ہے

ق

کسی کا نام تو ہم لے کے شب میں سوتے ہیں
کوئی تو ہے جو سحر دَم جگانے والا ہے
یہ کِس نے ذرّوں کو دی ہے چٹان کی صورت
اور اس چٹان میں کیڑے کو کِس نے پالا ہے
ڈبو کے شعلۂ خورشید کو سمندر میں
فصیلِ شب سے اسے کِس نے پھر اُچھالا ہے
طلسم خانہ ہے دنیا سمجھ نہ پاؤ گے
یہ کس صفائی سے ہم کو خِرد نے ٹالا ہے

زمانہ ساز ڈریں گردشِ زمانہ سے
ہمارا کیا ہے ہمیں حادثوں نے پالا ہے
یہی بہت ہے کہ نقشِ قدم سے بچ جائیں
سخن میں راستہ کِس نے نیا نکالا ہے
خدا کرے کہ اسے علم بھی نہ ہو محسن
وہ جس کے گِرد مری چاہتوں کا ہالا ہے

میں لفظوں کے اثر کا معجزہ ہوں
مجھے دیکھو مجسّم اک دعا ہوں
مری فطرت ہے آہستہ خرامی!
میں خود ہی قافلے سے رہ گیا ہوں
میں چھوٹوں میں بہت چھوٹا ہوں لیکن
بڑوں کے درمیاں سب سے بڑا ہوں
میں دشمن کی طرف داری کی خاطر
بسا اوقات خود سے بھی لڑا ہوں

نظر ہو کیوں نہ میری آسماں پر
میں آخر اس بلندی سے گِرا ہوں!
عطا کر حوصلے کو استقامت
مرے معبود تنہا رہ گیا ہوں
تلاشِ رزق میں نکلا تھا گھر سے
اب اپنے آپ کو میں ڈھونڈتا ہوں
مرے قلعے میں صادق پَل رہا تھا
میں ٹیپو کی طرح مارا گیا ہوں
مرے الفاظ ہیں آواز محسنؔ
میں نغمہ ہوں اگرچہ بے صدا ہوں

اِدھر بھی سَرِ کفت میں ہوں اُدھر بھی صف بہ صف میں ہوں
میں کس کا ساتھ دوں اس جنگ میں دونوں طرف میں ہوں
اگر دشمن سے میرا معرکہ ہوتا تو امکاں تھا!
مرا بچنا نہیں آساں کہ اب اپنا ہدف میں ہوں
غلط اندازے کر رکھے تھے میری خوش گمانی نے
نکل کر خود سے اب دیکھا تو تنہا ہر طرف میں ہوں
قیامت ہے گواہی ہوں میں اب اپنے نہ ہونے کی
کبھی تھا نشۂ پندار، معیارِ شَرف میں ہوں

مجھے تھا زعم کیا کیا لیکن اب اقرار کرنا ہے
خراب آباد ہست و بود میں مثلِ خزف میں ہوں

مرا کردار ہے اب جذبہ و احساس سے عاری!
کسی کا دَف، کسی کا ہاتھ ہے، آہنگِ دَف میں ہوں

وہ وقت آیا ہے محسؔن گر گیا ہوں اپنی نظروں سے
بتایا جارہا تھا مجھ کو شایانِ سَلف میں ہوں

بے اساس مت جانو یہ جواز کافی ہے
شاخ بے شجر تو ہوں، بے ثمر نہیں ہوں میں

گندم نے ہمیں خُلدِ بریں کا نہیں رکھا
لیکن غمِ گندم نے کہیں کا نہیں رکھا

فرزندِ زمیں فخر نہ کرنا کہ فلک نے
کتنوں کو یہاں اپنی زمیں کا نہیں رکھا

بخشا ہے گداؤں کو کبھی تاجِ سکندر
شاہوں کو کبھی نانِ جَویں کا نہیں رکھا

حلقے میں نہ آجانا کہیں دامِ انا کے
قدرت نے بھرم عرش نشیں کا نہیں رکھا

کچھ یوں ہے کہ اس در سے اب اٹھتی ہی نہیں ہے
دل نے تو ہمیں اپنی جبیں کا نہیں رکھا
محسنؔ یہ مرے حال پہ مولا کا کرم ہے
اب تک جو سزاوار "نہیں" کا نہیں رکھا

وہ جن گھروں کی فضا خوشگوار ہوتی ہے
اُنہی گھروں میں تو اکثر خوشی نہیں ہوتی

ہر ایک شخص کو تفصیل مت بتا محسنؔ
ہر ایک شخص کو سن کر خوشی نہیں ہوتی

لگتا ہے جیسے کُنجِ وحشت اثر میں آئے
ہم اجنبی کی صورت اپنے ہی گھر میں آئے

فکرِ معاش کیا ہے جُز دائرہ نوردی
دیوار و دَر سے نکلے دیوار و دَر میں آئے

سنگِ اجل کی زد پر جب زندگی کھڑی تھی
کیا کیا بدلتے منظر میری نظر میں آئے

سو سو طرح سے یادوں نے رنگ بھر کے دیکھے
بیتے دِنوں کے خاکے جب چشمِ تر میں آئے

کیفیت آج اپنی ایسی ہے ، جیسے کوئی
شعلوں سے جاں بچانے کاغذ کے گھر میں آئے

جو بھی روِش ہو محسنؔ اب تو چلے چلو تم
فکرِ کلاہ کیسی جب رہگزر میں آئے

دنیا نے سِکھا دیا ہے جِینا
اپنوں سے نِباہ کررہا ہوں

بستی میں بدل نہ جائے اک دن
صحرا کو گواہ کررہا ہوں

چمن چمن اسی رنگین قبا کو دیکھتے ہیں
ہر ایک جلوے میں جلوہ نما کو دیکھتے ہیں

ہمیں کتابِ مبیں ہے ترا رُخِ روشن
ترے جمال میں نورِ خدا کو دیکھتے ہیں

وہ آئیں پُرسشِ غم کو یقیں نہیں آتا
ہم اپنے سامنے آہِ رسا کو دیکھتے ہیں

ترے مزاج سے ہم اس قدر ہوئے مانوس
کہ شاخِ گُل میں بھی تیری ادا کو دیکھتے ہیں

کلی پہ تیرے لبوں کا گماں گزرتا ہے
گلوں میں ہم ترے رنگِ حیا کو دیکھتے ہیں

یہ تیری جھیل سی آنکھوں میں ڈوبنے والے
تجھے خبر بھی ہے، آبِ بقا کو دیکھتے ہیں

جو تیرے ہونٹ ہلیں تو پھوار پڑتی ہے
ترے سکوت میں شہرِ نوا کو دیکھتے ہیں

دمکنے لگتے ہیں ذرّے جدھر سے تو گزرے
ستارے جُھک کے ترے نقشِ پا کو دیکھتے ہیں

ترے قیام پہ ہوتا ہے سَرو کا دھوکا
ترے خرام میں بادِ صبا کو دیکھتے ہیں

تجھے ہو علم تو کیسے، کہ دیکھنے والے
چُھپا کے تجھ سے تری ہر ادا کو دیکھتے ہیں

ترے سِتم میں بھی ہم کو کرم نظر آیا
وہ اور ہوں گے جو خوئے جفا کو دیکھتے ہیں

وہ خوش گمان ہیں ہم دادِ ظرف کی خاطر
جو دل شکن ہے اُسی دلربا کو دیکھتے ہیں

کچھ اس میں اور ہی چاہت کا لطف ہے محسنؔ
ہم اجنبی کی طرح آشنا کو دیکھتے ہیں

موت مشکل ہے جینا دُوبھر ہے
سانس ہے یا شکستہ خنجر ہے
صرف احساس کا ہے کھیل یہاں
عِلم بھی جہل کے برابر ہے
کیا خبر لَو بُجھانے والے کو
روشنی تو دیے کے اندر ہے
میری کمزوریوں سے ہے واقف
میرا بدخواہ مجھ سے بہتر ہے

کیا نظر آئے آئینے کے اُدھر
چشمِ حیرت اسیرِ منظر ہے
عکس کا عکس دیکھتے ہیں ہم
اور سمجھتے ہیں اپنا پیکر ہے
تم مری عاجزی سے ملتے ہو
میرا قد کب مرے برابر ہے
کٹ رہی ہے اس آس پر محسنؔ
روشنی صبح کا مقدّر ہے

حیرت نہ کیجئے یہ اصولِ تضاد ہے
دھوکا وہیں یہ ہوگا جہاں اعتماد ہے

شعلۂ فلک پیما کو بھی سرد ہونا تھا
بادگرد کو آخر رزقِ گرد ہونا تھا
جس کی تابناکی کو کم تھا عرصۂ آفاق
جھٹپٹے سے پہلے ہی اس کو زرد ہونا تھا!
جو حصار کھینچا تھا روشنی نژادوں نے
اس کو وقت کے ہاتھوں مشتِ گرد ہونا تھا
عمر کے تسلسل کو ٹوٹنا بھی تھا آخر
اک دن تو یہ دفتر فرد فرد ہونا تھا!

کارِ عشق کی اُجرت اس سے بڑھ کے کیا ملتی
آنکھ اشک بَننا تھی دل کو درد ہونا تھا

حرف و صوت کے رشتے بے اساس ہوتے ہیں
لہجۂ تعلّق کو یوں بھی سرد ہونا تھا

بے کلاہ لوگوں کو بے نشان مت جانو
فائز انا اورنگ تھے سو گرد ہونا تھا!

دن کی روشنی میں شہر خال و خد چھپاتے ہیں
فطرتاً بھی شاعر کو شب نورد ہونا تھا

سلسلے خِرد کے سب بے جواز تھے محسنؔ
معرکہ دلوں کا سر بے نبرد ہونا تھا

ذرّے ذرّے میں جلوہ گر دیکھا
اس کو دیکھا نہیں مگر دیکھا

مُو بہ مُو دیکھ شیشۂ دل میں
آئینے میں تو اک نظر دیکھا!

دیکھیں تقدیر کیا دِکھاتی ہے
ہم نے مقدور بھر تو کر دیکھا

وہیں سمجھے تھے مدّعا اس نے
دیکھ کر جب اِدھر اُدھر دیکھا

بے وفا کہہ کے بھول جائیں اسے
ہم نے یہ تجربہ بھی کر دیکھا
عشق میں سُرخرو ہوئے ایسے
سنگ دیکھا نہ زخمِ سر دیکھا
ثبت ہر ہر قدم پہ ہے تاریخ
آبلہ پائی کا ہُنر دیکھا
کیا کہیں زندگی کے بارے میں
ایک تماشا تھا عمر بھر دیکھا

آدمی کیا کیا جتن کرتا ہے صِرف
ایک تختی ایک کتبے کے لیے!

بِنائے عشق ہے بس استوار کرنے تک
فلک کو چین کہاں پھر غبار کرنے تک

یہ کب کہا کہ بھروسا نہیں ہے وعدے پر
میں جی سکوں گا ترا انتظار کرنے تک

خبر نہ تھی وہ مجھے قتل کرنے آیا ہے
میں اس کو دوست سمجھتا تھا وار کرنے تک

پھر اس کے بعد کہاں امتیازِ دامن و دل
جُنوں ہے شوق فقط اختیار کرنے تک

وہ خوئے عشق بسی ہے ہماری فطرت میں
کہ ساتھ دیتے ہیں ہم جاں نثار کرنے تک

خیالِ عہد، ثبوتِ وفا، رقابتِ ہمراز
ہیں کتنے مرحلے دریا کو پار کرنے تک

کچھ اس سے پہلے ہی آجائے میری زیست کی شام
حیات وقف ہو جب دن شمار کرنے تک

مرے قبیلے کا محسنؔ یہ قولِ فیصل ہے
کہ ظلم ظلم ہے صبر اختیار کرنے تک!

تم سے میرے عہد و پیماں باندھنے کی دیر تھی
اب یہ دنیا خود بخود انجام تک لے جائے گی

کم سواد لوگوں کی سرگزشت کیا لکھوں
کل کے سربلندوں کو آج پست کیا لکھوں

آج کو میں لِکھوں گا آج کے تناظر میں
مصلحت کے پردے میں بود و رفت کیا لکھوں

پھر ابھرتے سورج کو مصلحت نے گھیرا ہے
بے گواہ لمحوں کا پھر ہے وقت کیا لکھوں

کیوں نہیں بدلتے ہیں دور نو میں بھی حالات
کون کررہا ہے یہ بندوبست کیا لکھوں

اک طرف وسائل ہیں اک طرف مسائل ہیں
ہو رہی ہے کس جانب پیشرفت کیا لکھوں
روشنی کے پروانے روشنی گزیدہ ہیں
یہ اشارہ کافی ہے حرف سخت کیا لکھوں
جو میں کہہ چکا محسؔن کیا میں پھر سے دہراؤں
اپنی ہی صداؤں کی بازگشت کیا لکھوں

اس کو پڑھتا ہوں یہ سمجھتے ہوئے
وہ کسی اور کے نصاب میں ہے
بے حقیقت سہی، مگر محسؔن
کچھ نہ کچھ تو کشش سَراب میں ہے

شیشۂ جاں سنبھال کر رکھنا
ہر قدم دیکھ بھال کر رکھنا

اب کہاں قدر فن کی کاغذ پر
مت کلیجہ نکال کر رکھنا

کبھی ان کا چلن بھی ہوتا ہے
کھوٹے سکّے سنبھال کر رکھنا

کارِ جرأت ہے اس زمانے میں
حال کو حسبِ حال کر رکھنا

ہم نے سیکھا ہے عرصۂ جاں میں
زیست خود پر وبال کر رکھنا!

سگِ موذی ہے نفسِ امّارہ
پٹّہ گردن میں ڈال کر رکھنا

کتنا مہلک ہے آدمی کے لئے
خود کو اپنی مثال کر رکھنا

ٹوٹ جائے کہیں نہ یہ برتن
زندگی کو سنبھال کر رکھنا

جس طرح بھی ہو کوچۂ دل میں
ساکھ اپنی بحال کر رکھنا

ورنہ محسنؔ کوئی نہ پوچھے گا
دل کا سِکّہ اُجال کر رکھنا

کچھ اس انداز سے اقرار کیا تھا تم نے
دشمنوں کو بھی طرف دار کیا تھا تم نے

خون آلود حقائق کو فسانہ کہہ کر
دن میں خورشید سے انکار کیا تھا تم نے

مانگ کر میرے ہر ایک زخم کا مجھ سے ہی ثبوت
اپنے انصاف پہ اِصرار کیا تھا تم نے

ق

یہ تو جب سوچتے انجامِ ہوس کیا ہوگا
خود کو جب رونقِ دربار کیا تھا تم نے

اپنے کردار کے بارے میں بھی سوچا ہوتا
میرے کردار پہ جب وار کیا تھا تم نے
کیا ستم ہے کہ وہی پوچھ رہے ہیں محسنؔ
کس کی درخواست پر ایثار کیا تھا تم نے

یاد کرتا ہوں تجھے میں، تو بھی مجھ کو یاد کر
کاروبارِ زیست کو آسان ہونا چاہیے

گر جُدا ہونا ہی ٹھہرا مجھ پہ کچھ الزام رکھ
گفتگو کا کوئی تو امکان ہونا چاہیے

حق شناسی کا تری دعویٰ بجا ہے محتسب
آدمی کی بھی تجھے پہچان ہونا چاہیے

غم نہیں تیرگی جو آئی ہے
رات خود بھی تو ڈھلنے والی ہے
چشمِ پُرخوں کوئی نیا منظر
دامنِ سادہ پھر سوالی ہے
کیا جہاں سے ہی اے جہاں والے
تُونے رسمِ وفا اُٹھالی ہے
مجھ سے مل کر مجھی کو پوچھتے ہیں
بے خیالی سی بے خیالی ہے

خود کو پہچاننے سے جاؤ گے
تم نے صورت یہ کیا بنالی ہے

کچھ تو دنیا بھی ہے تلوّن کیش
کچھ طبیعت بھی لااُبالی ہے

زندگی اک سوال تھی پہلے
زندگی آج خود سوالی ہے

بچ کے نقشِ قدم سے چلتا ہوں
راہ کِس نے نئی نکالی ہے

آدمی کیا ہے بجز پیوند ملبوسِ زمیں
اور عزائم یہ کہ حدِ آسماں کچھ بھی نہیں

"ڈوبنے والے نے جب شور مچانا چاہا"
اہلِ ساحل نے تمسخر میں اُڑانا چاہا
سامنا کرنے کی جرأت ہی کہاں تھی تم نے
ہر حقیقت کے عوض تازہ فسانہ چاہا

ق

اپنے ہی موجۂ خوشبو سے رہا تو سرشار
نازشِ گُل تجھے کیا کیا نہ بنانا چاہا
کیا قیامت ہے کہ تاراجیٔ گلشن کے عوض
تو نے اک اپنے نشیمن کو سجانا چاہا

میں نے ہر بار بھرم رکھا مسیحائی کا
تم نے ہر بار نیا زخم لگانا چاہا!
اس لئے راندۂ درگاہ رہے ہیں محسنؔ
ہم نے ایثار کو معیار بنانا چاہا

محاذِ جنگ سے پسپائیاں تو جائز ہیں
محبّتوں میں مگر واپسی نہیں ہوتی

خیال آئے تو دل کی طرف چلے آنا
بہت دنوں سے یہاں روشنی نہیں ہوتی

باعثِ رنج و تعب تو لکھئے
خط نہ لکھنے کا سبب تو لکھئے

غمِ ناقدریٔ احباب بجا
شرط ہے پہلے ادب تو لکھئے

ذکرِ کردار بھی آئے ضمناً
شجرۂ نام و نسب تو لکھئے

عہدِ آمر میں تھا حق گوئی سے عذر
دورِ جمہور ہے اب تو لکھئے

کون کہتا ہے کہ تقریر کریں
کردیا مہر بلب تو لکھئے
ان کہی کے بھی لئے رہنے دیں
دل میں جو آئے وہ سب تو لکھئے

یہ زمیں آسمان ہے پیارے
اپنی اپنی اُڑان ہے پیارے
ہم نے چاہا تھا ہم نہ چاہے گئے
کُل یہی داستان ہے پیارے

ابھی کچھ اور بھی گرد و غبار ابھرے گا
پھر اس کے بعد مرا شہسوار ابھرے گا
سفینہ ڈوبا نہیں ہے نظر سے اوجھل ہے
مجھے یقین ہے پھر ایک بار ابھرے گا
پڑی بھی رہنے دو ماضی پہ مصلحت کی راکھ
کریدنے سے فقط انتشار ابھرے گا
ہمارے عہد میں شرط شناوری ہے یہی
ہے ڈوبنے پہ جسے اختیار ابھرے گا

شبِ سیہ کا مقدّر شکست ہے محسنؔ
درِ افق سے پھر انجم شکار ابھرے گا

فکر میں خونِ رگِ جاں بھی مِلا دیتے ہیں
کوئی مضمون ہو ہم رنگ نیا دیتے ہیں
حوصلے ان کے کبھی مات نہیں کھا سکتے
زخم کھاکر بھی جو قاتل کو دعا دیتے ہیں
کچھ ضروری بھی نہیں راہ نما ساتھ رہے
راہزن خود بھی تو منزل کا پتہ دیتے ہیں
ان سے اظہارِ وفا کُھل کے نہ کرنا اے دل
لوگ اخلاص کو الزام بنا دیتے ہیں

کچھ نہ ہونے پہ ہی اسباب ہوا کرتے ہیں
بے سپر ہی تو ظفریاب ہوا کرتے ہیں

تشنہ رہ جاتے ہیں منجدھار کے بیچ اور کبھی
لوگ ساحل پہ بھی سیراب ہوا کرتے ہیں

بادبانوں پہ جنہیں ناز ہوا کرتا ہے
وہ سفینے ہی تو غرقاب ہوا کرتے ہیں

رُخ افسردہ سرِ آئینہ یوں رنج نہ کر
اہلِ دل خود کو بھی کم یاب ہوا کرتے ہیں

جو کناروں سے نکل جاتے ہیں طغیانی میں
ایسے دریا ہی تو پایاب ہوا کرتے ہیں

زہر آلود سہی لب پہ تبسّم تو سجا
کچھ بچھڑنے کے بھی آداب ہوا کرتے ہیں

صورتیں چند غنیمت ہیں جنابِ محسنؔ
کچھ نہ ہونے پہ کب احباب ہوا کرتے ہیں

آنکھیں پھیرنے والو یہ بھی سوچا ہے
ڈوبتے وقت بھی سورج سورج رہتا ہے

ماضی کا وہ ماحول وہ منظر مجھے مل جائے
وہ "فخرِ سخن" پھر مرے گھر پر مجھے مل جائے

دریا پہ نہ پہنچا تھا تو دریا بھی بہت تھا
اب سوچ رہا ہوں کہ سمندر مجھے مل جائے

اے وقت مری تیرہ نصیبی کا صِلہ دے
اک شب کو مرا ماہِ منوّر مجھے مل جائے

ممکن ہے کوئی اور ہی پیغام ملے پھر
کہنا کبھی فرصت ہو تو آکر مجھے مل جائے

پوچھوں سخن آرائی کا محور تھی یہی قوم
گر ملکِ سخن کا وہ قلندر[1] مجھے مل جائے

(۱) اقبالؔ

مرے رفیقو گھڑی دو گھڑی کی بات ہے یہ
نہ رک سکے گی گزرنا ہے اس کو رات ہے یہ
ثبوت غیروں سے کیا لاؤں میں اُجڑنے کا
جو گھر کے لوگوں نے کی ہے وہ واردات ہے یہ
مجھی پہ جرم لگاتے ہیں اور پھر مجھ سے
وہ مانگتے ہیں شہادت عجیب بات ہے یہ
چھڑا سکو گے نہ اپنے ضمیر سے دامن
تمہارے سائے کے مانند ساتھ ہے یہ
پسند آئے نہ محسنؔ مگر حقیقت ہے
غزل کے رنگ میں تصویرِ واقعات ہے یہ

ایک مدّت جو رہا ساتھ پہیلی کی طرح
اب مہک اس کی ہے ہر سمت چنبیلی کی طرح
بُھولے بھٹکے کبھی جَل اٹھتے ہیں یادوں کے چراغ
قریۂ دل بھی ہے ویران حویلی کی طرح
ایک لمحے کو معطّل نہیں تپنے کا عمل
زندگی جَلتے دِیے پر ہے ہتھیلی کی طرح
گر ہے پابندئ اِظہار تو غم کیسا ہے
کوئی پیرایہ ہو انوارِ سہیلی کی طرح

جاننے والے تمہیں بُوجھ چکے ہیں سرکار
اب نہ اُلجھاؤ ہر اک بات پہیلی کی طرح

اس کے دل میں کوئی اٹھتا ہوا طوفاں دیکھے
جو بھری بزم میں بیٹھی ہے اکیلی کی طرح

کیا مقدّر میں ہے محسنؔ کہ چلی آتی ہے
مفلسی زیست کے ہمراہ سہیلی کی طرح

بے خبر تھا میں ایک مدّت سے
گھر کے اندر بھی ایک دنیا ہے

جذبۂ شوقِ شہادت نذرِ استعجاب تھا
زندگی کے بعد بھی وا زندگی کا باب تھا

وقت سے آنکھیں چُرا کر ہوں میں اب مصروفِ ذات
وہ بھی دن تھے جب میں خود اپنے لئے کم یاب تھا

آشنا چہروں نے بھی جب کر دیا صَرفِ نظر
خود کو یہ کہہ کر تسلّی دی کہ سب کچھ خواب تھا

ہیں یہ دو اک صورتیں ہی کچھ غنیمت اب کہاں
عہدِ عشرت میں جو وہ اک مجمعٔ احباب تھا

پیکرِ بے جاں پہ جہدِ زیست تھی نوحہ کناں
ڈوب جانے پر کھُلا ساحل پسِ گرداب تھا
محسنؔ اس سے کیا گِلہ کرتے کہ جس کے عہد میں
وعدہ کرکے بھولنا منجملہ آداب تھا

ساتھ میں بستیاں بھی جلتی ہیں
اب چراغاں الگ نہیں ہوتا!

کیسے سمجھاؤں دلِ زار سمجھتا ہی نہیں
میری مشکل، میرا غم خوار سمجھتا ہی نہیں
دل کی باتوں کو وہ دل دار سمجھتا ہی نہیں
میرے چُپ رہنے کو اقرار سمجھتا ہی نہیں
کوئی سمجھائے اسے جا کے محبت کی زباں
کیوں کیا جاتا ہے انکار سمجھتا ہی نہیں
میری روداد وہ غیروں کی طرح سُنتا ہے
کون ہے کس کا طلبگار سمجھتا ہی نہیں

وقت کا کیا ہے کسی وقت بدل سکتا ہے
اپنے نشے میں وہ سرشار سمجھتا ہی نہیں
جس کی یادوں سے رہائی نہیں ممکن محسنؔ
وہ مجھے اپنا گرفتار سمجھتا ہی نہیں

کُھلی کتاب کی مانند تھا جو میرے لیے
وہ کہہ رہا ہے تمہیں بے نقاب کردوں گا

وہ تھا جو خواب سہانا عجیب لگتا ہے
گزر گیا جو زمانہ عجیب لگتا ہے
سبب جو خود ہے مری خانماں خرابی کا
اسی کو حال سُنانا عجیب لگتا ہے
ستم ہے مرکزی کردار جو رہا تھا کبھی
اسی کو میرا فسانہ عجیب لگتا ہے
وہ جانتا ہے اسے کیا بتائیں دل کا حال
دعا کو ہاتھ اُٹھانا عجیب لگتا ہے

وہ جس کا ہاتھ سدا ہاتھ میں رہا محسنؔ
اسی سے ہاتھ مِلانا عجیب لگتا ہے

جاتے ہوئے ایک نظر کر گیا
قتل کوئی دل کا نگر کر گیا

سُن کے رہی داستان اَن سُنی
اور کبھی لفظ اثر کر گیا

قیمتِ دل اس نے لگائی تو یوں
جاتے ہوئے ایک نظر کر گیا

چاہت میں کیا دنیا داری عشق میں کیسی مجبوری
لوگوں کا کیا سمجھانے دو ان کی اپنی مجبوری

میں نے دل کی بات رکھی اور تو نے دنیا والوں کی
میری عرض بھی مجبوری تھی ان کا حکم بھی مجبوری

روک سکو تو پہلی بارش کی بوندوں کو تم روکو
کچی مٹی تو مہکے گی ہے مٹی کی مجبوری

جب تک ہنستا گاتا موسم اپنا ہے سب اپنے ہیں
وقت پڑے تو یاد آتی ہے کیسی کیسی مجبوری

"گردِ مسافت" میں شامل غزل بہ اضافہ و ترمیم

ذات کدے میں پہروں باتیں اور ملیں تو مُہرِ لب
مختاری سی مختاری ہے مجبوری سی مجبوری

اک آوارہ بادل سے کیوں میں نے سایہ مانگا تھا
میری بھی یہ نادانی تھی اس کی بھی تھی مجبوری

مدّت گزری اک وعدے پر آج بھی قائم ہیں محسنؔ
ہم نے ساری عمر نبا ہی اپنی پہلی مجبوری

خاموش ہیں کیوں اہلِ نوا سوچ رہا تھا
اب سوچ رہا ہوں کہ میں کیا سوچ رہا تھا

روا ہر اک ستمِ ناروا کو دیکھتے ہیں
کبھی دعا، کبھی دستِ دعا کو دیکھتے ہیں
سلگتے رَستوں پہ وحشت کا رقص جاری ہے
کھنڈر کی شکل میں شہرِ سبا کو دیکھتے ہیں
خموشیوں میں بھی چیخیں سنائی دیتی ہیں
اُجاڑ کوکھ، دَریدہ رِدا کو دیکھتے ہیں
جوان لاشے اُگلتا ہے ہر نیا سورج
حصارِ شام میں اہلِ وفا کو دیکھتے ہیں

وہ دے رہے ہیں ہمیں انقلابِ نو کی نوید
اُڑا کے خاک جو سمتِ ہوا کو دیکھتے ہیں

ہے یہ بھی طُرفہ ستم اپنے جانثاروں پر
مِلا کے خون سے رنگِ حنا کو دیکھتے ہیں

مثال اپنے توکّل کی اور کیا ہوگی
ہم اپنے حال میں ہیں اور خدا کو دیکھتے ہیں

ہیں کم جو لفظ کی پہنائی پر نظر رکھیں
کہ لوگ شعر میں طرزِ ادا کو دیکھتے ہیں

ہمارے عجز کو سمجھا نہیں گیا محسنؔ
ہم آزما کے اب اپنی انا کو دیکھتے ہیں

رُتیں یوں بے ثمر کر دی گئی ہیں
جو کلیاں تھیں شَرر کر دی گئی ہیں

لہو پوشاک بندوں کو ملی ہے
مساجد خوں میں تَر کر دی گئی ہیں

جواں لاشے اُٹھائے جا رہے ہیں
کہ عمریں مختصر کر دی گئی ہیں

ہمارے بچّے جن میں کھیلتے تھے
وہ گلیاں پُر خطر کر دی گئی ہیں

جنہیں دیدہ وَری سونپی گئی تھی
وہ آنکھیں بے بَصر کر دی گئی ہیں

کتابوں میں جنہیں منفی لِکھا تھا
وہ قدریں معتبر کر دی گئی ہیں

ستم کی گرم بازاری ہے محسنؔ
اور آہیں بے اثر کر دی گئی ہیں

ہماری نسل بزرگوں کے سامنے چُپ تھی
یہ نسلِ نو ہے' یہ سارے جواب مانگتی ہے

کراچی کرچیوں میں بَٹ گیا ہے
یہ اپنے آئینے سے کٹ گیا ہے

تسلّط کی کشاکش میں بالآخر
یہ چشمہ خاروخَس سے پَٹ گیا ہے

ملی ہے یوں بھی دادِ تشنہ کامی
جو ہم پہنچے تو دریا ہَٹ گیا ہے

کل آ جائے گا وہ میرے مقابل
ابھی جو چُوم کر چوکھٹ گیا ہے

اسی کا سامنا ہر وقت ہے جو
بظاہر سامنے سے ہٹ گیا ہے
وطن اہلِ وطن کا کب ہے محسنؔ
وطن اہلِ زمیں میں بٹ گیا ہے

تھے دام بکف' دائرۂ وقت سے غافل
گھیراؤ میں وہ خود تھے مگر گھیرے ہوئے تھے
تاریخ بتائے گی کہ انصاف کے داعی!
انصاف کی ہر راہگزر گھیرے ہوئے تھے
فردا کے حسیں خواب کو آنکھوں میں بسائے
پروردۂ شب قصرِ سحر گھیرے ہوئے تھے

ایک اک دن محال گزرا ہے
کس قیامت کا سال گزرا ہے

وہی زخم اور وہی نمک پاشی
عہدِ ماضی میں حال گزرا ہے

ہجر میں آئے ایسے لمحے بھی
جب گمانِ وصال گزرا ہے

رہ گزاروں پہ راکھ ہے کیسی
کون شعلہ مثال گزرا ہے

گھر کو معمار کیسے ڈھائے گا
کیوں تمہیں یہ خیال گزرا ہے
چُپ سہی آج، ہم پہ بھی محسنؔ
عرصۂ حال و قال گزرا ہے

ابلاغ کے لئے نہ تم اخبار دیکھنا
ہو جستجو تو کوچہ و بازار دیکھنا
ایسا نہ ہو کہ حشر میں وجہ سزا بنے
ہفتے میں ایک شبیہہ کا چھ بار دیکھنا

ہمارا جرم

ہمارا جرم اِتنا ہے
ہماری رائے اپنی ہے
ہمارا ذہن اپنا ہے
ہمارا جرم اتنا ہے

وہ ہم سے چاہتے ہیں
کمّیوں اور ہاریوں کی طرح ہم بھی
پاؤں چُومیں، ہاتھ جوڑیں
اور ہٹ کر دُور جا بیٹھیں
مگر یہ کس طرح ممکن ہے

جو جمہوریت کی راہ میں
سب کچھ لُٹا کر آئے ہوں
وہ آمروں، جاگیرداروں
اور سرداروں کی ہر خواہش کے آگے سر کو خم کر دیں
مگر یہ عین ممکن ہے،
کہ اپنی رائے اپنے ذہن کے نیلام سے پہلے
ہم اپنی داستاں پھر سے صلیبوں پر رقم کر دیں

ہم اس قائد کے پیرو ہیں،
وہ قائد جس نے اپنے قول کو
اپنے عمل میں ڈھال کر ثابت کیا
وہ راہِ حق پر تھا
وہ جس نے خواب کو زندہ حقیقت میں بدل ڈالا
وہ قائد! ہاں وہی قائد
جو اپنا ذہن رکھتا تھا
جو اپنی رائے رکھتا تھا
اسی قائد کے پیرو ہیں
ہمارا جرم اتنا ہے
ہماری رائے اپنی
ہمارا ذہن اپنا ہے
ہمارا جرم اتنا ہے!

نظمانے

○

افسانہ یا واقعہ یا مکالمہ برقرار رکھتے ہوئے مختصر نظم کی تاثیر کو ہاتھ سے نہ جانے دینا بڑے معرکہ کا کام ہے۔ محسن بھوپالی "نظمانے" میں یہ معرکہ سر کرنے میں بڑی حد تک کامیاب نظر آتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ گرد و پیش کے حقائق پر ان کی نگاہ بصیرت کے بجائے فوری تاثر کی حامل ہے اور ان کے یہاں تفکّر سے زیادہ مشاہدے کا رنگ نظر آتا ہے ورنہ یہ صنف (جس کے وہ موجد کہے جاسکتے ہیں) تفکّری طرزِ اظہار کے لئے بھی بہت مناسب ہے۔ محسن کے قطمانوں میں طنز کا رنگ غالب ہے لیکن ان کے طنز میں تلخی کا تشنج نہیں بلکہ ایک طرح کی سنجیدگی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ محسن بھوپالی اس صنف کے مزید امکانات کو بھی بروئے کار لائیں گے۔

(شمس الرحمٰن فاروقی کے فلیپ مطبوعہ نظمانے ۱۹۸۹ء سے اقتباس)

"نظمانے" کے ضمن میں سب سے پہلے اس کے نام کا سوال پیدا ہوا۔ شروع میں محسن نے اسے "منظوم افسانچہ" کہا لیکن افسانے کی اس تصغیر کا صَوتی آہنگ بھلا معلوم نہ ہوا۔ چنانچہ جناب احمد ندیم قاسمی نے منظوم افسانچے کی ترکیب پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے یہ رائے دی کہ جب تک کوئی مناسب نام نہ مل جائے اس وقت تک اسے منظوم افسانچے کے بجائے منظوم افسانہ ہی کہا جائے۔ پھر ایک دن بیٹھے بیٹھے ہم نے اس رخ پر غور کیا انگریزی میں بھی دو الفاظ کے بعض اجزاء کو ملا کر ایک نیا لفظ بنالیا جاتا ہے جیسے Fiction اور Criticism کو ملا کر Criction بنایا گیا ہے۔ اس لئے نظم اور افسانے کے امتزاج سے "قطمانہ" کا لفظ اس نئی صنفِ شعر کے لئے مناسب رہے گا اور اس میں شک نہیں کہ قطمانہ اب اس مخصوص مختصر منظوم افسانے کے لئے مختص ہو کر رہ گیا ہے جسے محسن بھوپالی نے ایک نئی صنف کے طور پر متعارف کرایا ہے۔

(سحر انصاری کے پیش لفظ نظمانے مطبوعہ ۱۹۷۵ء سے اقتباس)

مُصلح

ہیلو۔۔۔۔ہیلو!
میں تنظیمِ اہلِ وطن سے بول رہا ہوں
پکچر ہاؤس میں جو عریاں تصویروں کا بورڈ لگا ہے
اسے ہٹا دو۔۔۔۔ورنہ
اچھا صاحب۔۔۔۔منیجر جب آئے گا۔۔۔۔ہم کہہ دے گا

۔۔۔۔جی میں اصغر منیجر۔۔۔۔جی ہاں۔۔۔۔جی ہاں
۔۔۔۔اک ہفتے تک رہنے دیں
پھر میں خود ہی ہٹوا دوں گا
۔۔۔۔میرے لائق کوئی خدمت؟
۔۔۔۔چندے کی بُک بھیج رہا ہوں
خود ہی چندہ بھَر دینا!

خود اعتمادی

سُنا جی تم نے!
تمہاری بیٹی ---- کلب میں جاتی ہے
بوائے فرینڈز اس کو چھوڑنے کے لئے بھی اکثر
---- گلی تک آتے ہیں
جانے تم کو خبر بھی ہے یا ----
---- خبر ہے بیگم میں خوش ہوں اب وہ
نئی روِش کے نئے تقاضوں کو جانتی ہے
اور اس میں اب خود اعتمادی بھی آگئی ہے

---- مگر جو مہمان آرہا ہے
کچھ اس کے بارے میں تم نے سوچا'
خود اعتمادی تو آگئی ہے!

گِدھ

احمد بھائی کو مٹّی دے کر
ان کے رشتے دار، اعزّا
----اور دفتر کے ساتھی
قبرستان سے لَوٹ رہے تھے

---- آج ہی جاکر تُو ڈی جی سے مِل لینا
احمد کی اس خالی پوسٹ پہ اب کے
تیرا پروموشن ہو جائے گا
---- میرے آگے چلنے والے اک صاحب
اپنے دوست سے
سرگوشی میں بول رہے تھے!

تضاد

سخت بارش میں جب
ان کا گھر گِر گیا
چند دن کے لئے،
اپنے بھائی کے گھر آ گئیں

شام کے وقت بے بی نے
اپنی پھوپھی سے لپٹ کر کہا
آنٹی دیکھئے تو سہی
لان کتنا ہرا ہو گیا!

نئی پود

سَلمیٰ----میں توٹونی کو
کہتے کہتے ہار گیا ہوں
----تم بھی کوشش کر دیکھو

بیٹا! اپنی مرضی سے گر شادی کی تو
----دودھ نہ بخشوں گی
----ممّی! وہ کیا ہوتا ہے!

مہربانِ مَن

مجھے جب بھی ملتے تو کہتے
"کوئی میرے لائق اگر کام ہو تو میں حاضر ہوں بھائی!"

ایک دن میں نے دو سو روپے قرض مانگے
تو کھیسیں نکل آئیں
اور اس طرح جملے چبا کر وہ بولے
عجب اتفاقات ہیں ـــــ کیا کہوں
کل سلامت میاں آئے تھے
ان کو میں دے چکا ہوں
کوئی دوسرا میرے لائق اگر کام ہو تو میں حاضر ہوں بھائی!!

مطالعہ

ڈاک میں تازہ پرچہ دیکھ کے
میز سے اس نے اُٹھالیا
جلدی سے فہرست پڑھی

——— صفحہ نمبر ساٹھ پہ اپنی غزلیں دیکھیں
اطمینان کا سانس لیا
اور رسالہ واپس میز پہ پھینک دیا

نامۂ اعمال

ہم جیسوں کا کیا نامہ اور کیا اعمال
ساری عمر کا سیدھا سادا ہے احوال

آدھی عمر تو سوتے گزری
آدھی عمر کا آدھا حصّہ،
جھوٹ سناتے گزرا
اور پھر بقیہ آدھا حصّہ
جھوٹ نبھاتے گزرا!

دستِ نگر

عرصہ گزرا'
ساحل پر میں اک لڑکے کو
چھوڑ آیا تھا

اک مدّت کے بعد
اُدھر سے گزر ہوا تو
دریا کے اس پار سے
جانی پہچانی سی آواز آئی
میں دریا میں اُتر جاؤں
یا آپ آتے ہیں!

ابلاغِ عامہ

ہمارے بھی ادارے،
کیا ادارے ہیں
زمانے سے نرالے ہیں!

خبر دیتے نہیں لیکن،
کبھی تردید کرتے ہیں
کبھی تردید میں ترمیم کرتے ہیں
کبھی تردید کرتے ہیں----،
نہ کچھ ترمیم کرتے ہیں
----فقط خاموش رہتے ہیں

تاثّر

دھوپ بہت تھی
گھنے پیڑ کا سایہ دیکھ کے
ایک طرف میں بیٹھ گیا

دوسری جانب ایک گداگر
ساتھی سے یہ بول رہا تھا
----رحم آتا ہے ان لوگوں پر
ہم سے زیادہ منہ لٹکا کر
جو کہتے ہیں---- "بابا معاف کرو!"

ناقدری

آدھی صدی سے زائد
شعروادب کی خدمت
میں جس نے عمر کاٹی
جب اس جہاں سے گزرا
وہ طرحدار شاعرؔ

اس عِلم دشمنی پر
ششدر رہے اہلِ دانش
تھا زندگی کا حاصل
دو سطر کی خبر کا'
اک کالمی تراشہ!

شاعر لکھنوی

تعبیر

اپنے ملک پہ اک مدّت سے قائم ہے
گِنتی کے ان سرداروں
----اور جاگیروں کے پانے والوں
کی نسلوں کا راج
آزادی سے بڑھ کر جن کو پیارا تھا
انگریزوں کا تاج!
سوچ رہا ہوں----شاید اب کے
قسمت دے دے مظلوموں کا ساتھ
استحصالی ٹولے سے----پائے قوم نجات

صبح ہوئی تو گونج رہا تھا'
بے ہنگم نعروں کا شور:
اپنے خواب کی ہم نے کی----من مانی تعبیر
پھر ہے اپنے قبضے میں----مِلّت کی تقدیر
پاکستان کا مطلب کیا؟----موروثی جاگیر!

شاپنگ

رَضّو! دیکھ تو اس لڑکے کو
بِجّو جیسی شکل ہے اس کی
کیسے ٹک ٹک دیکھ رہا ہے
----اگلی شاپ پہ چلتے ہیں

----کالی بیگی والے کو تو دیکھ
کتنا "کیوٹ" اور شوخ ہے'
لیکن----یہ کیا
میری جانب اس نے تو دیکھا بھی نہیں!

فرق

خود غرضی کی چادر اوڑھ کے
کہنے والے
چاہت کی بازی میں'
اپنی محبوبہ کو حاصل کرلینا ہے معراج

دل کی بات بھی سن:
حاصل کرنا ہے تو پیارے
جاں سے گزرنا سیکھ
محبوبہ اور مطلوبہ میں
فرق بھی کرنا سیکھ

قیافہ شناس

رَستہ چلتے ایک گداگر
سامنے آیا تو
میرے منہ سے فقرہ نکلا
"بابا ماف کرو"

اس نے قہر آلود نظر سے مجھ کو دیکھا
اور کہا:
میں نے تم سے کب مانگا تھا
گداگری میں عمر کٹی ہے
اب میں چہرے پڑھ لیتا ہوں!

......مقابلہ

ہم نے تم کو چھوڑ دیا ہے'
بھاگو بھاگو......بھاگو
تڑ تڑ تڑ تڑ تڑ!

تصویر

خبر کے ساتھ اِک تصویر ہے
اور اس کے نیچے لِکھا ہے:
یہ دونوں
(ہتھکڑی پہنے ہوئے لڑکے)
مسلح اہلکاروں کے مقابل تھے
جنہیں مقتول کہہ کر تم دُہائی دے رہو
وہ تو قاتل تھے!

نئی سحر!

سارے پارک میں،
گونج رہی تھی ایک آواز
اے مجبورو اے مظلومو
ناانصافی کی چکّی میں
اک مدّت سے پِسنے والو
---- آج تمہاری قسمت میں محرومی ہے
لیکن کل کا سورج خوشیاں لائے گا

----اور گلی کے نکّڑ پر
کوئی عورت چیخ رہی تھی
نئی سحر کے لانے والو
پہلے میرا بیٹا لا دو!

خود فریبی

ٹی وی پہ ریڈیو پر
اور ہوٹلوں میں جو لوگ
اِعلان کر رہے ہیں
ہم عزمِ نَو کو لے کر
مفلس ہوں یا تونگر
سب کو جلو میں لے کر
سج دَھج سے ہوں گے داخل
اِکّیسویں صدی میں

ماحول پر وہ اپنے
مُڑ کر نظر تو ڈالیں
اور دِل پہ ہاتھ رکھ کر
اِک بار یہ تو سوچیں
داخل ہی کب ہوئے تھے
ہم بِیسویں صدی میں!

قطعات

محسن نے نہ صرف قطعے کی گزشتہ تیس چالیس برس کی روایت سے استفادہ کیا ہے بلکہ اس نے قطعے کے کینوس کو مزید وسعت بھی دی ہے۔ اس نے اپنے قطعات میں سیاسی معاشرتی اور تہذیبی مسائل کو موضوع بنایا ہے اور اسے محض حسن و عشق کے مسائل میں محدود نہیں رکھا۔ پھر قطعے کو قاری کے دل میں اتارنے کے لئے اس کے پاس ایک نہایت موثّر ہتھیار موجود ہے اور یہ اس کا طنزیہ لہجہ ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے بیشتر قطعات کے آخری مصرعوں کا نکیلا طنز قاری کے ذہن میں پیوست ہو جاتا ہے۔ محسن کی شاعری کی عمر ابھی کچھ زیادہ نہیں مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ محسن کے اس طنزیہ لہجے کے دَم سے اس کے بعض قطعات کے آخری مصرعوں نے ہمارے ہاں ضرب الامثال کی حیثیت اختیار کرلی ہے صرف چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

منزل اُنہیں ملی جو شریکِ سفر نہ تھے

علاجِ گریۂ شبنم کسی کے پاس نہیں

اے اہلِ وطن ارضِ وطن بول رہی ہے

میں ہم سفر تمہارا غبارِ راہ نہ تھا

(احمد ندیم قاسمی کے پیش لفظ مطبوعہ جنّت جنّت ۱۹۶۹ء سے اقتباس)

☆

تاریخ ہے گواہ کہ میں ہوں اَنا سرشت
خم ہے ترے حضور سرِ بے نیاز بھی
میری شناخت مجھ سے طلب کر نہ اے زمیں
پھر زیرِ بحث آئے گا تیرا جواز بھی

☆

کیوں یہ مجبوریاں گِناتے ہو
ایک اک بات مانتا ہوں میں
اس وضاحت کی کیا ضرورت ہے
چہرہ پڑھنا بھی جانتا ہوں میں

☆

جمہوریت کی خیر ہو، اس مملکت کی خیر
جو وقت کے غلام تھے لمحوں میں بِک گئے
چشمِ فلک نے دیکھا ہے ایسا بھی ماجرا
لاکھوں کے ترجمان کروڑوں میں بِک گئے

☆

گلشنِ پاک کو میراث سمجھ کر تم نے
مژدۂ منزلِ بے نام دیا تھا ہم کو
آج خود اپنی ہی نظروں سے گرے ہو پیارے
ایک مدّت نظر انداز کیا تھا ہم کو

☆

دیتا ہے کس کا ساتھ زمانہ تمام عمر
رازِ درونِ پردہ کبھی کھولتا بھی ہے

اے شخص خامشی کو نہ تائید حق سمجھ
شاہد ہے کربلا کہ لہو بولتا بھی ہے!

☆

دیوار چمن لاکھ اُٹھاتے رہو لیکن
خوشبو کو بِکھرنے سے نہ تم روک سکوگے

فطرت کے بھی بس میں نہیں فطرت کا بدلنا
سورج کو ابھرنے سے نہ تم روک سکوگے

☆

بے وجہ ہر کسی کو ستانے کا شوق تھا
کاپی میں تتلیوں کو سجانے کا شوق تھا
اب یوں ہیں دربدر کہ لڑکپن کے دَور میں
شاخوں سے آشیانے گرانے کا شوق تھا

☆

تم مری راہ دیکھتے تھے کبھی
اب مجھے دیکھنے نہیں آتے
اچھے وقتوں میں اتنا یاد رکھو
دن برے بول کر نہیں آتے

☆

اب انہی سے شکایتیں کیسی
جن کے کاندھوں پہ چڑھ کے آئے تھے
اب تمہیں خود بھی دیکھنا ہوں گے
تم نے جو دن ہمیں دِکھائے تھے

☆

پھر وہی صورتِ حالات ہوئی جاتی ہے
صبح آئی بھی نہیں رات ہوئی جاتی ہے
اس کو محرومئ قسمت کے سِوا کیا کہئے
کھیل کھیلا بھی نہیں مات ہوئی جاتی ہے

☆

پیکرِ حسرت و آلام ہوئی جاتی ہے
مرکزِ گردشِ ایّام ہوئی جاتی ہے
ایک لمحہ تو ملے امن و سکوں کا یارب
زندگی عالمِ اسلام ہوئی جاتی ہے

☆

رہے خاموش تو اک عمر کا پچھتاوا ہے
حق کا اظہار کرو جراتِ پیکار کے ساتھ
اب کوئی دوسری صورت ہی نہیں ہے باقی
ہے عدو سامنے اور پیٹھ ہے دیوار کے ساتھ

☆

شوقِ پرواز تو ہے خوب مگر
حدِ پرواز پر نظر رکھو
جب بھی پاؤ کوئی نیا اعزاز
اپنے آغاز پر نظر رکھو

☆

ہوش سے کام لے لیا میں نے
بڑھ کے اک جام لے لیا میں نے
مل گئی مجھ کو سب غموں سے نجات
جب ترا نام لیا میں نے

☆

بات بے بات کے بَنتے تھے فسانے کیا کیا
اک زمانے میں گزارے ہیں زمانے کیا کیا
بھول جاتے تھے کبھی اس سے جو وعدہ کر کے
یاد آجاتے تھے یک لخت بہانے کیا کیا

☆

اپنا ذکر سن سن کر دل میں لطف لیتے تھے
ہم خبر تھے خود پہلے اب خبر نہیں مِلتی
یوں تھا اب رہے گا ساتھ اس کا آخر دَم تک
یوں ہوا نظر سے بھی اب نظر نہیں مِلتی

☆

اردو مقام و رنگ و وراثت سے ہے بلند
اردو بقیدِ مذہب و ارضِ وطن نہیں
اردو خلوص و مہر و محبت کا نام ہے
نفرت کے خار جس میں اُگیں وہ چمن نہیں

☆

کیا کہئے اور اردو و سندھی کے باب میں
ارضِ وطن ہے جسم تو قلب و جگر ہیں یہ
تہذیب و آگہی کی امانت لیے ہوئے
انسانیت کی راہ پہ دو ہم سفر ہیں یہ

☆

احتیاطاً میں بچ کے نکلا تھا
کیا خبر تھی کہ سامنا ہوگا
پھر وہ دیکھیں گے چور نظروں سے
پھر مجھے دل کو تھامنا ہوگا

☆

ان کے ناز و ادا بھی بھول گئے
ذکرِ جور و جفا بھی بھول گئے
یاد تھیں سیکڑوں مُناجاتیں
اب تو حرفِ دعا بھی بھول گئے

☆

جان پہچان کم سے کم رکھیے
سر پہ احسان کم سے کم رکھیے
دیکھ کر بھی تو لوگ جَلتے ہیں
ظاہری شان کم سے کم رکھیے

☆

آنکھ بے وجہ نم نہیں ہوتی!
کُچھ نہ کچھ تو سبب رہا ہوگا
یا کوئی چیز پڑگئی ہوگی
یا کوئی یاد آگیا ہوگا

☆

کوئی موضوعِ سیاست ہو مگر دے کر بیاں
روز چھَپواتے ہیں اخباروں میں اپنے نام کو
جن کے حق میں متّفق اہلِ محلّہ تک نہیں
متحد کرنے چلے ہیں عالمِ اسلام کو!

☆

بجا فرمودۂ اقبال کب منکر ہوں میں اس سے
یقیں بھی آہی جائے گا مگر، پہلے خبر تو ہو
"کبوتر میں ہو شاہیں کا جگر" ہے دُور کی کوڑی
میں کہتا ہوں کبوتر میں کبوتر کا جگر تو ہو

☆

اعلان کی تائید ضروری ہے عمل سے
اعلان غریبی کا مداوا نہیں کرتا
احساس جو کرتے ہیں کوئی ان سے یہ کہہ دے
احساس سے آٹے کا کنستر نہیں بھَرتا

☆

لبوں کے ساتھ تبسّم تو چھپ بھی سکتا ہے
تمہارا طرزِ تکلّم تو چھپ نہیں سکتا!
کلام شائع تو ہوگا مگر رسالے میں
غزل کے ساتھ ترنّم تو چھپ نہیں سکتا

☆

قوم کی دولت لُٹی کیسے، ملے تو کچھ سراغ
عاقبت کا بوجھ کیا ملّت کو ڈھونا چاہیے
ہوچکا ہے لیڈروں اور ڈاکوؤں کا احتساب
احتساب اب کرنے والوں کا بھی ہونا چاہیے

☆

چڑھتے سورج کو گالیاں دینا
مشغلہ ہے یہی اندھیروں کا
شب پرستوں کے رُوٹھ جانے سے
کام رُکتا نہیں سویروں کا

☆

ہم سا نہ بے اصول ہے کوئی نہ بااصول
اصلی کے ساتھ ساتھ ہے کھوٹا بھی برقرار
اس دہری پالیسی کا بَھلا ہے کوئی جواز
میرٹ بھی برقرار ہے کوٹا بھی برقرار

☆

کرکے امدادِ باہمی پہ عمل
ہاں کبھی تھا میں کالمی شاعر
قدر کر میری سرزمینِ پاک
آج کل ہوں میں عالمی شاعر

☆

ہیں ہم بھی سندھ کے خادم
خبر ہے تم کو مخدومی
تمہیں احساسِ محرومی
ہمیں احساسِ مرحومی!

☆

رندان تشنہ لب کو وہاں کون پوچھتا
ہر بے شعور مست جہاں ہاؤ ہو میں تھا

محسنؔ مرے لئے یہی اعزاز کم نہیں
میں اس کی انجمن میں نہ تھا گفتگو میں تھا

قطعہ تاریخِ وفات

حُسنِ شعر پروین شاکر کی وفات

۱۹۹۴ء

کس لئے غم گیں نہ ہوں اہلِ قلم، اہلِ نظر
ہے ادب کا سانحہ، اک فرد کا یہ حادثہ

جستجو تاریخ کی جب کی، سروشِ غیب نے
دی ندا "پروین شاکر کی وفات عاجلہ"

۱۴۱۵ھ

حوالۂ اشاعت

غزلیں

۱۱ یہ میرے چاروں طرف کس لیے اجالا ہے۔ فنون لاہور جولائی۔ دسمبر ۹۳ء

۱۳ میں لفظوں کے اثر کا معجزہ ہوں۔ افکار کراچی اکتوبر ۹۲ء

۱۵ اِدھر بھی سر بکف میں ہوں اُدھر بھی صف بہ صف میں ہوں۔ افکار مارچ ۹۱ء

۱۷ گندم نے ہمیں خُلدِ بریں کا نہیں رکھا۔ تخلیق لاہور دسمبر ۹۱ء

۱۹ لگتا ہے جیسے کُنجِ وحشت اثر میں آئے۔ دائرے کراچی مئی ۹۰ء

۲۱ چمن چمن اسی رنگیں قبا کو دیکھتے ہیں۔ چہار سو راولپنڈی مئی جون ۹۵ء

۲۳ موت مشکل ہے جینا دو بھر ہے۔ تجدید نو لاہور اپریل ۹۲ء

۲۵ شعلۂ فلک پیما کو بھی سرد ہونا تھا۔ جنگ کراچی ۴ نومبر ۸۸ء

۲۷ ذرّے ذرّے میں جلوہ گر دیکھا۔ رابطہ کراچی نومبر ۸۹ء

۲۹ بنائے عشق ہے بس استوار کرنے تک۔ ادبیات اسلام آباد جون ۹۰ء

۳۱ کم سواد لوگوں کی سرگزشت کیا لکھوں۔ ”جنگ“ کراچی ۱۸ اکتوبر ۹۳ء

۳۳ شیشۂ جاں سنبھال کر رکھنا۔ کتاب نما دہلی جون ۹۰ء

۳۵ کچھ اس انداز سے اقرار کیا تھا تم نے۔ جنگ کراچی ۱۸ جنوری ۹۱ء

نظمانے

۷۴ تضاد۔ اقدار کراچی شمارہ ۳۔ ۴۔ ستمبر ۸۹ء

۷۵ نئی پود۔ افکار دسمبر ۹۳ء

۷۶ مہربانِ من۔ افکار ستمبر ۸۹ء

۷۷ مطالعہ۔ افکار اپریل ۹۳ء

۷۸ نامۂ اعمال۔ افکار اپریل ۹۲ء

۷۹ دست نگر۔ افکار اپریل ۹۲ء

۸۰ ابلاغِ عامہ۔ نیرنگ خیال جون ۹۱ء

۸۱ تاثّر۔ افکار اپریل ۹۲ء

۸۲ ناقدری۔ افکار اپریل ۹۰ء

۸۳ تعبیر۔ مشمولہ کتاب پاکستان کے سیاسی وڈیرے (عقیل عباس جعفری) ۹۴ء

۸۴ شاپنگ۔ افکار دسمبر ۹۳ء

۸۵ فرق۔ اردو ادب اسلام آباد اپریل مئی ۹۴ء

۸۶ قیافہ شناس۔ افکار کراچی ستمبر ۸۹ء

۸۷ ..... مقابلہ روزنامہ جنگ کراچی ۱۳ ستمبر ۱۹۹۶ء

۸۸ تصویر " " "

۸۹ نئی سحر۔ افکار دسمبر ۹۳ء

۹۰ خود فریبی۔ نوائے وقت راولپنڈی ۲۱ دسمبر ۹۴ء

مصنّف کی دیگر کتابیں

(صرف پہلے ایڈیشن کا سالِ اشاعت دیا گیا ہے)

۱۔ شکستِ شب (نظمیں، غزلیں، قطعات) ۱۹۶۱ء

۲۔ جستہ جستہ (قطعات) ۱۹۶۹ء

۳۔ نظمانے (منظوم افسانے) ۱۹۷۵ء

۴۔ ماجرا (نظمیں، غزلیں) ۱۹۸۱ء

۵۔ قومی یکجہتی میں ادب کا کردار (انٹرویو) ۱۹۸۵ء

۶۔ گردِ مسافت (نظمیں، غزلیں ہائیکو) ۱۹۸۸ء

۷۔ حیرتوں کی سرزمین (سفرنامۂ امریکہ) ۱۹۹۲ء

۸۔ مجموعۂ سخن (کلیات) ۱۹۹۲ء

۹۔ موضوعاتی نظمیں ۱۹۹۳ء

۱۰۔ منظر تِتلی میں (ہائیکو) ۱۹۹۵ء

۱۱۔ روشنی تو دیے کے اندر ہے (غزلیں، نظمیں، نظمانے) ۱۹۹۶ء

۱۲۔ جاپانی کے چار عظیم شاعر (ترجمہ و تالیف) ۱۹۹۷

۱۳۔ شہر آشوبِ کراچی (محسن بھوپالی۔ گلنار آفرین) ۱۹۹۷ء

۱۴۔ شاہکار قطعات (انتخاب و ترتیب محسن بھوپالی، غزل جعفری) ۱۹۹۷ء

مصنف کے بارے میں

نام :۔ عبدالرحمٰن، تاریخ پیدائش :۔ ۲۹ ستمبر ۱۹۳۲ء پیدائش بہ مقام :۔ بھوپال سے متصل ضلع ہوشنگ آباد کا قصبہ سہاگپور۔ تعلیم :۔ جیبیہ مڈل اسکول اور الیگزنڈرا ہائی اسکول (بھوپال) گورنمنٹ ہائی اسکول (لاڑکانہ) انٹرمیڈیٹ گورنمنٹ کالج (لاڑکانہ)، سہ سالہ ڈپلومہ انجینئرنگ (این۔ای ڈی کالج) ایم اے اردو (امتیاز کے ساتھ) جامعہ کراچی۔ محسن بھوپالی کا کلام ۱۹۴۸ء سے پاکستان اور بیرون ملک کے مختلف ادبی رسائل و اخبارات میں شائع ہو رہا ہے۔ انہوں نے روزنامہ "جنگ" کراچی میں تقریباً تین سال تک ہفتہ وار ادبی کالم "انجمن" لکھا اور اس دوران مشاہیر ادب کے انٹرویو بھی کئے جو بعد میں "قومی یکجہتی میں ادب کا کردار" نامی کتاب میں شائع کئے گئے۔ ان کے اب تک نو مجموعے شائع ہو چکے ہیں شکست شب، جستہ جستہ، نظم اور افسانے کے امتزاج کی حامل نئی صنفِ سخن نظمانہ پر مشتمل مجموعہ نظمانے، ماجرا، گردِ مسافت، مجموعۂ سخن (کلیات) موضوعاتی نظمیں، منظر پتلی میں (ہائیکو)، روشنی تو دیئے کے اندر ہے، جاپانی کے چار عظیم شاعر (ترجمہ و تالیف)، حیرتوں کی سرزمین (سفرنامہ)۔

پاکستان رائٹرز گلڈ کے بانی رکن ہیں۔ متعدد بار گلڈ کی علاقائی اور مرکزی عاملہ کے رکن منتخب ہوئے۔ مجلس یادگارِ قابل کے کنوینر رہے ہیں۔ ایوانِ ادب کے صدر اور آرٹس کونسل آف پاکستان کراچی کی گورننگ باڈی (۱۹۹۵ء) کے رکن اور چیئرمین ادبی کمیٹی رہ چکے ہیں۔ پاکستان میں سب سے پہلے محسن بھوپالی کے شعری مجموعے "شکستِ شب" سے تقریب رونمائی کا آغاز ۲۵ نومبر ۱۹۶۱ء کو حیدر آباد سندھ سے ہوا تھا۔ تقریب کی صدارت زیڈ اے بخاری نے کی تھی اور شرکاء میں مرزا عابد عباس، سید محمد نصیر، حمایت علی شاعر، خالد وہاب اور نظر کامرانی شامل تھے۔

اعتراف اور اعزاز :۔ ۲۷ اکتوبر ۱۹۹۳ء کراچی کی ادبی اور ثقافتی انجمن دی لابی کے زیرِ اہتمام ساٹھویں سالگرہ پر جشنِ محسن ۲۴ اپریل ۱۹۹۴ء ایم اے جناح ہاؤس لندن میں جشنِ محسن اور ادبی ایوارڈ ۳۰ اپریل ۱۹۹۴ء بزمِ ادب و فن گلاسگو کی جانب سے شیلڈ ۷ جون ۱۹۹۴ء ہیلپین حیدر آباد سندھ کی جانب سے شیلڈ ۱۰ نومبر ۱۹۹۴ء شامِ ہمدرد میں وثیقۂ اعتراف اردو مرکز نیویارک کے زیرِ اہتمام جشنِ محسن ۴ جنوری ۱۹۹۷ء۔

محسن بھوپالی سندھ کے محکمۂ تعمیرات میں ۴۱ سال تک خدمات انجام دینے کے بعد ۲۸ جولائی ۱۹۹۳ء کو بحیثیت ایگزیکٹیو انجینئر ریٹائر ہوئے۔ وہ پاکستان کے علاوہ بنگلہ دیش، بھارت، متحدہ عرب امارات، قطر، بحرین، سعودی عرب، برطانیہ، اسکاٹ لینڈ، کینیڈا اور شمالی امریکہ کی متعدد ادبی کانفرنسوں اور عالمی مشاعروں میں شرکت کر چکے ہیں۔

محسن بھوپالی ۱۹۸۸ء میں زندگی کے سب سے بڑے سانحے سے بھی گزرے انہیں گلے کا کینسر (Cancer) ہو گیا تھا جس کا اسی سال گلاسگو میں کامیاب آپریشن ہوا اور خدا نے انہیں نئی زندگی سے سرفراز کیا۔ وہ آج بھی زندگی کی شاہراہ پر سرگرم سفر اور تخلیقی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ (ناشرین)

زیست ہمسائے سے مانگا ہوا زیور تو نہیں

ایک دھڑکا سا لگا رہتا ہے کھو جانے کا

تلقینِ اعتماد وہ فرما رہے ہیں آج

راہِ طلب میں خود جو کبھی معتبر نہ تھے

نیرنگیِ سیاستِ دوراں تو دیکھیے

منزل انہیں ملی جو شریکِ سفر نہ تھے

جاہل کو اگر جہل کا انعام دیا جائے

اس حادثۂ وقت کو کیا نام دیا جائے

میخانے کی توہین ہے رندوں کی ہتک ہے

کم ظرف کے ہاتھوں میں اگر جام دیا جائے